© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

(۲)

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

میں تو سمجھتا ہوں صحیح مسلم کی یہ حدیث یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان عام فرمایا کہ قرآن کے سوا لوگوں نے مجھ سے جو حدیثیں لکھی ہیں ان کو ضائع اور محو کر دیں، یہ حکم یکایک نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس حال سے واقف ہونے کے بعد یعنی آپ سے ہر سُنی ہوئی بات لکھی جا رہی ہے اس کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو اسی کے ردعمل کے لئے ضروری خیال کیا گیا کہ عام طور پر حدیثوں کے لکھنے سے لوگوں کو روک دیا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ اگر مسند احمد کی اس روایت کو ملا لیا جائے جسے اس وقت میں مجمع الزوائد سے نقل کرتا ہوں، روایت یہ ہے۔

کنا نکتب ما نسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج علینا فقال ما ھذا انکتبون، فقلنا ما نسمع منک فقال اکتاب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ واخلصوہ قال فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احرقناہ	ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا کرتے تھے اسے لکھ لیا کرتے تھے تب ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سامنے برآمد ہوئے اور فرمایا یہ کیا ہے جسے تم لوگ لکھ لیا کرتے ہو، ہم نے عرض کیا کہ حضور سے جو کچھ ہم سنتے ہیں (اسی کو لکھ لیا کرتے ہیں) تب آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ دوسری کتاب ہے (یعنی ایسا نہ کرنا چاہئے، پھر فرمایا) ستھری کرو اللہ کی کتاب کو اور ہر قسم کے اشتباہ) سے اس کو پاک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(خود صحابی کہتے ہیں) کہ تب ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو
ایک میدان میں اکٹھا کیا پھر اس کو ہم نے جلا دیا،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ممانعت ہی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ لکھنے والوں نے جو کچھ لکھا تھا سب کو لوگوں نے ایک ہی جگہ پر لا کر جمع کیا، اور آگ لگا کر اس کو ضائع کر دیا۔ بلکہ اسی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ

أكتاب مع كتاب الله امحضوا كتاب الله واخلصوه — کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ دوسری کتاب؟ ستھری کرو اللہ کی کتاب کو اور ہر قسم کے اشتباہ سے پاک کر ڈالو

ان الفاظ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا جو بالآخر ان مکتوبہ حدیثوں کا انجام آئندہ زمانہ میں چل کر ہو سکتا تھا، یعنی وہی بات کہ جن امور کی عام اشاعت مقصود نہیں ہے اگر نبوت ہی کے عہد میں اس کثرت سے ان کے مکتوبہ مجموعے تیار ہو جائیں گے تو بتدریج ان حدیثوں سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج میں

اور قرآنی آیات سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج میں

کوئی فرق باقی نہ رہے گا، انسانی فطرت اور اس فطرت کے خصوصیات پر جس کی نظر ہے وہ بھی بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے، پھر پیغمبر کی نظر تو پیغمبر ہی کی نظر تھی جن سے زیادہ بنی آدم کی فطرت کا پہچاننے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ باقی یہ کہنا جیسا کہ بعضوں نے حدیثوں کی کتابت کی ممانعت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن میں اور حدیثوں میں خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کر دی مگر میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہر لکھی ہوئی چیز کو صحابہ یا ان کے بعد مسلمان قرآن کیوں سمجھ لیتے آخر جس وقت قرآن نازل ہو ہو کر لکھا جا رہا تھا، اسی زمانہ میں تورات وانجیل کے بیسیوں نسخے عرب ہی میں موجود تھے، ان سے اختلاط کا شبہ کیوں نہ ہوا۔ نہ صرف توراۃ وانجیل بلکہ عرض کر چکا ہوں کہ عرب ہی میں لقمان کا مجلہ بھی مکتوبہ شکل میں پایا جاتا تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں خطوط لکھوائے اور لکھواتے رہتے تھے پس یہ سمجھ لینا کہ محض مکتوب ہو جانے کی وجہ سے لوگ غیر قرآنی چیزوں کو قرآن سمجھ لیتے کم از کم میری سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ ان دو چیزوں میں یعنی عمومی اشاعت جن چیزوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے ان میں اور جن چیزوں کے متعلق اشاعت عام کا یہ طریقہ نہیں اختیار فرمایا جاتا تھا ان دونوں کے نتائج واحکام میں فرق پیدا کرنے کی یہی صورت تھی مگر لوگوں نے ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کرلیا تھا یعنی جیسے نازل ہونے کے ساتھ قرآن لکھ لیا جاتا تھا اسی طرح سننے کے ساتھ حدیثوں کو بھی لکھنے لگے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت فرمادی گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلامی دین کے ان دونوں سرچشموں میں اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج واحکام کے مطالبہ کی قوت وضعف کا جو فرق آج سارے جہاں کے مسلمانوں کا مانا ہوا اور مسلّمہ مسئلہ ہے اس فرق کو باقی رکھنے کی کوشش میں یہ پہلا تاریخی اقدام تھا جو نبوت ہی کے عہد میں خود بارگاہ رسالت کی طرف سے اختیار کیا گیا۔ واقعہ کی جو اصل صورت ہے وہ تو یہی تھی باقی اس زمانے کے فیل شناسوں کا ایک گروہ اسی قسم کی روایتوں سے جو یہ نتیجہ نکالنا چاہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا مبارک یہ تھا کہ آپ کی حدیثوں سے مسلمان اپنی دینی زندگی سے مستفید نہ ہوں، اسی لئے لکھنے والوں کو حدیثوں کے لکھنے سے روک دیا گیا تھا۔ اور جو لکھ چکے تھے، ان کو حکم دیا گیا کہ ان مکتوبہ حدیثوں کو ضائع کردیں میں نہیں سمجھتا کہ بدبختوں کی اس ٹولی نے تیرہ سو سال بعد ان روایتوں سے آخر یہ نتیجہ کیسے پیدا کرلیا، در کیوں جانے اسی روایت میں جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کی تعمیل میں صحابہ نے اپنے لکھے ہوئے مسودوں کو نذر آتش کردیا، اس کے آخر میں ہے کہ

فقلنا یا رسول اللہ فنتحدث عنك قال تحدثوا عني ولا حرج ومن كذب علي متعمداً فليتبوء مقعده من النار

تب ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی طرف منسوب کرکے ہم زبان سے بھی نہ بیان کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری طرف منسوب کرکے زبان سے بیان کردو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جان بوجھ کر جھوٹ کو میری طرف منسوب کرکے جو بیان کرے گا چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ وہ جہنم کو بنائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر یہی منشا رہوتا جو کوتاہ نصیبوں کی یہ جماعت کہتی ہے تو صحابہ کے اس سوال پر کہ آپ کی حدیثیں کیا زبانی بھی لوگوں سے ہم بیان نہ کریں؟ ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ "ہاں! مجھ سے حدیثیں بیان کیا کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ کہنا چاہئے تھا کہ "نہیں ہرگز ہرگز نہیں" بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ لکھنے کی ممانعت جو اس زمانہ میں کی گئی، اگر اس کی غرض یہی تھی کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے استفادہ کا موقعہ نہ ملے، تو بجائے اس مشہور حدیث کے جس کا آخر میں یہاں بھی تذکرہ کیا گیا ہے یعنی دہی من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار (جو جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کو منسوب کرے گا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) بجائے اس کے جھوٹ ہو یا سچ ہر قسم کی بات کو آپ کی طرف منسوب کرکے بیان کرنے کی ممانعت فرما دیتے بلکہ منکرین حدیث جس لب و لہجہ میں گفتگو کر رہے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں سے بجائے کسی فائدے کے مسلمان طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں گویا کہ بدمن العیاذ باللہ اگر پیغمبر کی گفتار و رفتار سیرت و کردار کے یہی نتائج تھے، اور جیسا کہ ان دیوانوں کا بیان ہے کہ ان ہی خطرات کو محسوس کرکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں کی کتابت سے صحابہ کو روک دیا تھا، تو پھر اب میں کیا کہوں، بعض روایتوں سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرنے کی سے حکم دیا گیا تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس سزا کو صرف ان ہی لوگوں کی حد تک محدود نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ جب پیغمبر کی باتوں سے مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچنے والا تھا، تو غلط ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح باتوں کو بھی منسوب کرکے بیان کرنے والوں کے ساتھ اگر یہ نہیں تو کم از کم کسی نہ کسی سزا کا مستوجب قرار دینا چاہئے تھا، سو سزا تو سزا مضمون کے ابتدائی اوراق میں متعدد روایتیں گذر چکی ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کو دوسروں تک پہنچانے والوں کو دعائیں دی گئی ہیں، آرزو کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کے چہروں کو تر و تازہ شاداب اور بشاش رکھے، صرف یہی نہیں کہ زبانی بیان کرنے والوں کی ہمت افزائیاں مختلف الفاظ میں فرمائی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکہ جیسے مذکورہ بالا بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں کے قلم بند کرنے کی ممانعت کی گئی تھی، اسی طرح روایتوں ہی سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک سے زیادہ صحابیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے اسی قسم کے حدیثوں کے لکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے، اجازت ہی نہیں بلکہ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں کے بھول جانے کی شکایت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت یں بعض صحابیوں نے کی تو آپ نے ان کو ہدایت کی کہ اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو (ترمذی) بعضوں یں یہ بھی ہے کہ قیدوا العلم بالکتاب (علم کو لکھ کر مقید کرو) اور میں تو کہتا ہوں کہ کتابت کے متعلق ذکورہ بالا روایتوں کے متعلق تو کچھ گفتگو کی سنداً گنجائش بھی ہے، لیکن صحیح حدیثوں سے جب یہ ثابت ہے کہ حدیثوں کے بھول جانے کی شکایت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابیوں نے کی تو بعض دعائی تدبیروں سے ان کے حافظہ کو قوی کر دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ جب یہی مقصود تھا کہ کسی طرح امت میں آپ کی حدیثوں کا ذکر نہ پہنچنے پائے۔ لکھنے سے ممانعت کی یہی غرض اگر تھی تو ان صاحب کے حافظہ کو بجائے قوی کرنے کے چاہئے تھا کہ اور کمزور کر دیا جاتا تاکہ کوئی بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کو یاد نہ رہتی خود بخود روایتوں کی منتقلی کا دروازہ اس تدبیر سے بند ہو جاتا۔

یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے کہ حدیثوں کو مضمحل کرنے کے لیے تو اس زمانے کے بے باکوں کا بھی انتہائی فراخ دلی سے کام لیتا ہے کمزور سی کمزور روایت سے ان کا کام چلتا ہو تو اس کے پیش کرنے سے وہ نہیں چوکتا اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ روایتوں کے متعلق بے اعتباری پھیلانے کے لیئے لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان کی پیش کردہ روایتوں پر جو بہرحال روایتیں ہی ہیں ان پر اعتماد کیا جائے

پہلی روایت ترمذی کی ہے لیکن روایت کی صحت پر ترمذی نے شبہ کا اظہار کیا ہے دوسری روایت کا ذکر ابن عبد البر نے اپنی مسلسل سند کے ساتھ کیا ہے بظاہر اس روایت کی سند میں کوئی قابل اعتراض راوی نہیں معلوم ہوتا دیکھو جامع بیان العلم صفحہ ۷۲ ج ۱

میرا اشارہ حضرت ابوہریرہ کی اس مشہور روایت کی طرف ہے جس میں انھوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضور ہی کے حکم سے میں نے چادر بچھائی پھر اس کو سینے سے لگایا جس کے بعد بھولنے کی کمزوری کا مجھ سے ازالہ ہو گیا یہ روایت صحاح کی عام کتابوں اور بخاری وغیرہ میں پائی جاتی ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس غیر منطقی طرزِ عمل کی وجہ ہی بتائیں کہ کیا توجیہ کر سکتے ہیں، حالاں کہ دیانت و امانت کا اقتضا تو یہ تھا کہ جب روایتوں ہی سے کام لیا جا رہا ہے تو ساری روایتوں کو پیشِ نظر رکھ کر نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی آخر یہ بھی کوئی صحیح تحقیق و تلاش کا طریقہ ہوا کہ پہلے ایک نصب العین طے کر لیا جاتا ہے اور اس کے بعد روایتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے، اس مفروضہ نصب العین کی تائید جن روایتوں سے ہوتی ہو ان کو تو اُچھال اُچھال کر آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے، اور جن سے اس طے شدہ نصب العین پر زد پڑتی ہو ان سے گذرنے والے آنکھیں میچ میچ کر گذر جاتے ہیں آخر اسی قصہ میں دیکھئے حدیثوں کے لکھنے کی پیغمبر نے ممانعت کر دی تھی۔ اس کا ذکر تو بڑے زور شور سے کیا جاتا ہے لیکن جن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر ہی نے حدیثوں کے لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ان کے ذکر سے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے حالانکہ سنداً دونوں قسم کی روایتوں میں کسی قسم کا کوئی تفاوت نہیں ہے، بلکہ اگر اسناد کا صحیح علم ان مسکینوں کو ہوتا تو شاید وہ اجازت والی روایتوں کو ممانعت کی روایتوں سے زیادہ قوی پا سکتے تھے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پہلے اجازت دی گئی اور بعد کو ممانعت کی گئی کیوں کہ اجازت کی روایتوں میں بعض روایتوں کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے، یعنی آخری حج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور اس میں جو خطبہ ارشاد ہوا گذر چکا کہ ابو شاہ یمنی کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اکتبوا لابی شاہ — ابو شاہ کے لئے خطبہ کو لکھ دو،

بہرحال ساری روایتوں کے جمع کرنے سے واقعہ کی صحیح شکل میرے سامنے تو یہی آتی ہے کہ ابتداء میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لکھنا شروع کیا، اور لکھنے میں اتنے مبالغہ سے کام لینا شروع کیا کہ جو کچھ سنتے تھے سب ہی کو لکھ لیا کرتے تھے عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اس وقت جب ان کا شمار صغر القوم میں تھا یعنی صحابیوں میں سب سے چھوٹے تھے انھوں نے صحابیوں کو اسی حال میں پایا تھا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ اس کی اگر خبر نہ لی جاتی تو جن روایتوں میں عمومیت اور استفاضہ کا رنگ پیدا کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصود نہ تھا، ان میں یقیناً یہی غیر مطلوبہ کیفیت پیدا ہو جاتی، لازمی نتیجہ جس کا یہ تھا کہ آئندہ دین کے ان دونوں سرچشموں میں کوئی فرق باقی نہ رہتا جن میں چاہا جاتا تھا اور یہی چاہئے بھی تھا کہ فرق باقی رہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ اکتاب مع کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ ایک اور کتاب کو بھی کیا وہی اہمیت دینا چاہتے ہو؟۔ عام صحابہ ان نتائج کا اندازہ نہ کر سکتے تھے جن پر نبوت ہی کی نظر پہنچ سکتی تھی۔ اسی کے بعد من کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ (جس نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ہے اس کو محو کر دے یعنی مٹا دے) کا اعلان کیا گیا، اور اگر وہ روایت صحیح ہے کہ صحابہ نے اپنے مکتوبہ مجموعوں کو ایک میدان میں جمع کر کے سب کو نذر آتش کر دیا تو سمجھا جائیگا کہ اسی محو کرنے کے حکم کی یہ تعمیلی شکل تھی اور اس تدبیر سے اس خطرے کا ازالہ ہو گیا، جو عہدِ نبوت میں حدیثوں کی مختلف کتابوں اور مجموعوں کے تیار ہونے سے پیدا ہو سکتا تھا اور یوں عمومی طور پر حدیثوں کے لکھنے کا رواج صحابہ میں جو پھیل گیا تھا وہ مسدود ہو گیا۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابتِ حدیث کی ممانعت کے اس عام اعلان سے اس خطرے کا تو دروازہ بند ہو گیا مگر احساسات کی جن نازک تاثرات کا تجربہ آدمی کی فطرت کے متعلق ہوتا رہتا ہے پھر وہی تجربہ سامنے آیا۔ گویا خطرے کے ازالہ کی اسی شکل نے ایک دوسرے خطرے کے سوراخ کو پیدا کر دیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہی عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے بیان کیا تھا کہ ان صحابیوں نے جن میں سب سے میں چھوٹا اور کم سن تھا، مجھ سے بیان کیا کہ میرے بھائی کے بچے! ہم جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے ہیں، وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے میں نے عرض کیا تھا کہ یہی صورت حال اس زمانہ میں پیدا ہو گئی تھی جس کا انسداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث کی ممانعت سے فرمانا چاہا تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اپنے بڑوں سے جہاں یہ معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لوگ لکھا کرتے ہیں، وہیں کم عمری اور کم سنی کی وجہ سے وہ ممانعت کے حکم سے واقف نہ ہو سکے کیوں کہ جہاں تک قرائن و قیاسات سے معلوم ہوتا ہے مدینہ منورہ میں ممانعت کے حکم کا اعلان جس وقت کیا گیا تھا عبداللہ ابن عمرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت بہت چھوٹے تھے۔اسی سے اندازہ کیجئے کہ ہجرت کے وقت بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین ہی سال کے تھے۔لیکن مان لیجئے کہ وہی روائت صحیح ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے جس سال مدینہ تشریف لاتے ہیں، عبداللہ کی عمر سات سال کی تھی ہجرت کے کچھ ہی دن بعد یہ اپنے والد عمرو بن عاص سے پہلے ہی مدینہ منورہ آکر مسلمان ہو گئے تھے شاید اس وقت یہ آٹھ نو سال کے ہوں گے اس عمر کے بچوں کا ایسے اعلانوں سے ناواقف رہ جانا کچھ تعجب نہیں ہے، یا مان لیجئے کہ ان کو بھی کتابت حدیث کی ممانعت کا علم ہو چکا تھا۔ مگر انھوں نے خود سمجھ لیا۔ یا جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے پر اُن کو معلوم ہوا کہ ممانعت کا تعلق عمومی رواج سے ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ بالکلیہ قطعی طور پر حدیثوں کا لکھنا گناہ ٹھہرا دیا گیا ہے، کچھ بھی ہوا ہو، ہوا یہ کہ جب عبداللہ سن رشد کو پہنچے اور نوعمری میں مدینہ منورہ آجانے کی وجہ سے ان کو نوشت و خواند میں مہارت حاصل کرنے کا کافی موقعہ مل گیا، کیوں کہ یہی وہ زمانہ تھا جس میں مسلمان بچوں کی نوشت و خواند کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ تھی قیدیوں تک کا فدیہ یہ مقرر کر دیا تھا کہ مدینہ کے دس بچوں کو جو لکھنا سکھا دے گا، آزاد کر دیا جائے گا۔بہر حال حضرت عبداللہ بن عمرو نے صرف یہی نہیں کہ عربی خط میں کمال پیدا کیا بلکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سریانی اور عبرانی زبان اور ان زبانوں کے خطوط کے سیکھ لینے کا جو موقعہ میسر آگیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، ایک سے زائد آدمیوں سے ابن سعد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو سریانی زبان جانتے تھے اور اس زبان کی کتابیں پڑھا کرتے تھے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ان کے ایک خواب کا ذکر کیا ہے یعنی انھوں نے دیکھا کہ میرے ایک ہاتھ میں شہد ہے اور دوسرے میں گھی ہے، کبھی میں اس ہاتھ کو چاٹتا ہوں، اور کبھی اس کو۔اس خواب کا وہی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔تو تعبیر بتاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

تقرء الکتابین التوراۃ والقرآن ج ۲ ص ۱۱۲ — تم دونوں کتابیں یعنی تورات و قرآن کو پڑھو گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راوی نے اس کے بعد بیان کیا ہے کہ وکان یقرءھما (یعنی یہ واقعہ بھی تھا کہ عبداللہ دونوں کتابیں پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تورات وغیرہ کے پڑھنے کی صلاحیت وہ اپنے اندر پیدا کر چکے تھے[1] اسی کے ساتھ جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے کہ نوجوانی کے زمانہ میں تدین، عبادات و مجاہدہ کا جوش ان کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فہمائش کرنی پڑی، لیکن آپ کے سمجھانے کے باوجود وہ یہی کہتے جاتے تھے کہ جی نہیں میں اس سے زیادہ بار برداشت کر سکتا ہوں بعض روایتوں میں ان ہی سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ

فما زلت انا قضہ دینا فضنی ابن سعد جہ ۴ ص ۲ یعنی مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلسل

---

[1] بعضوں کا خیال ہے کہ عہد فاروقی کے فتوحات کے بعد شام و مصر پہنچنے کے بعد عبداللہ بن عمرو نے سریانی و عبرانی زبانیں سیکھی تھیں لیکن میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا مدینہ منورہ ہی میں ان چیزوں کا سیکھ لینا کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، آخر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے بیت المدارس میں ان کے خط اور زبان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے کیا نہیں سیکھا تھا؟ پھر حضرت عبداللہ کے لئے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی، باقی توراۃ و قرآن دونوں کا پڑھنا یہ بھی ان کے ساتھ مختص نہیں ہے حضرت عبداللہ بن سلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک دن تورات اور ایک دن قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ دیکھو ذہبی تذکرۃ الحفاظ، طبقات ابن سعد میں ابوالجلاء الجونی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ سات دن میں قرآن اور چھ دن میں تورات کو ختم کرنے کا قاعدہ انھوں نے مقرر کر لیا تھا اور لوگوں کو ختم کے دن جمع کیا کرتے تھے کہتے تھے کہ اس دن رحمت نازل ہوتی ہے، ابن سعد ج ۷ قسم اول ص ۱۶۱ باقی طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عمر کے متعلق جو یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ تورات کا ایک مجموعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے اور عرض کرنے لگے کہ بنی زریق میں مجھے اپنے ایک بھائی سے یہ مجموعہ ملا ہے کہتے ہیں کہ اس حال کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غضبناک ہو گیا حضرت عمر کو جب اس کا احساس ہوا تو معافی مانگنے لگے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ رہتے تو بجز میری پیروی کے ان کے لئے بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی، جمع الفوائد میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابو عامر قاسم بن محمد الاسدی ایک شخص ہے دراصل یہ مجہول راوی ہے اس لئے روایت خود بھی مشتبہ ہے نیز یہ ممکن ہے اس یہودی کو بھائی قرار دینے پر عتاب کیا گیا ہو نیز اور بھی اسباب اس کے ہو سکتے ہیں، بہر حال یہ جانتے ہوئے کہ تورات کا نسخہ بہت کچھ محرف ہو چکا ہے پھر قرآن پڑھنے والے کو اسی محرف تورات کی تلاوت کی جو اجازت دی گئی تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ محرف تورات کا مصحح تو اس کے پاس موجود ہی تھا یعنی قرآن اور قرآن کو مصحح بنا کر جو بھی تورات کو پڑھے گا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ گمراہی میں مبتلا ہو بلکہ کچھ فائدہ ہی حاصل کرے گا ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ردّ و کد ہوتی رہی (آنحضرت نرمی پر اصرار کرتے تھے

اور یہ اپنے اوپر زیادہ بار ڈالنا چاہتے تھے۔

اگرچہ آخر عمر میں پچھتاتے تھے اور کہتے تھے کہ بڑھاپے میں اب پتہ چلا کہ میرے لئے کیا اچھا ہوتا اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے کو مان لیتا، خیر یہ تو تمہیدی قصہ تھا، اب اصل واقعہ کو سنیئے۔

اصل واقعہ تو صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو یہ لکھا کرتے تھے ان کے اس لکھنے کا ذکر بخاری میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے کیا گیا ہے جس کا تذکرہ گذر چکا ہے، یعنی ابوہریرہ کہا کرتے تھے۔

کان یکتب ولا اکتب (عبد اللہ بن عمرو بن عاص صحابی لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

مگر پیش نظر اس وقت صرف ان کے لکھنے کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ اسی قصہ سے ایک اور بات جو معلوم ہوتی ہے زیادہ تر میں لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ان کے لکھنے کے اس قصہ کا ذکر علاوہ بخاری کے مختلف کتابوں میں خود ان کے حوالہ سے بھی اور دوسروں کے حوالے سے پایا جاتا ہے اس وقت آپ کے سامنے ان تمام روایتوں میں سے سنن ابوداؤد جو خیر سے صحاح میں شمار ہوتی ہے اور ابن سعد یا جامع ابن عبد البر وغیرہ کی روایتوں پر اس روایت کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے، بہر حال ابوداؤد کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ خود عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنا کرتا تھا، اسے لکھتا جاتا تھا، کہتے ہیں میرے اس طرز عمل کی خبر جب قریش کو ہوئی، بظاہر اس لفظ سے اشارہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی طرف کیا، کیونکہ وہ خود قریشی تھے، یہ پتہ نہ چلا کہ یہ کون صاحب تھے، کوئی بھی ہوں لیکن تھے قریشی عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب ان کو اس کی خبر ہوئی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات کو لکھ لیا کرتا ہوں تو انھوں نے مجھے منع کیا مگر کیوں منع کیا بس انہی الفاظ کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، عبد اللہ کہتے ہیں کہ منع کرتے ہوئے انہی صاحب نے مجھ سے کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تکتب کل شئی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الرضاء والغضب،

تم ہر چیز کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنتے ہو، لکھ لیا کرتے ہو، رسول اللہ آدمی ہیں آپ غصہ کی حالت میں بھی بولتے ہیں، اور خوشی کی حالت میں بھی۔

گو حضرت عبد اللہ بن عمرو کی یہ حدیث اور اس حدیث کے الفاظ عام طور پر مشہور رہے ہیں، عموماً لوگ سُنتے پڑھتے ہیں اور گذر جاتے ہیں لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، یہ ذرا ٹھہرنے اور سوچنے کا مقام تھا۔

پہلا سوال تو یہی ہوتا ہے کہ جن قریشی صاحب نے عبد اللہ کو ٹوکا تھا، اگر حضرت عبد اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کرنے کے بعد لکھ رہے تھے تو ان کے ٹوکنے پر باسانی جواب دے سکتے تھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے بجائے اس کے ان کا خاموش ہو جانا، بلکہ آگے جو الفاظ ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ فامسکت (یعنی ٹوکنے پر عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں لکھنے سے رک گیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا حالانکہ اگر پہلے سے اجازت یافتہ ہوتے تو اس کی بھی ضرورت نہ تھی اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کسی وجہ سے کتابتِ حدیث کی ممانعت کی خبر نہ پہنچ سکی تھی، اب اس میں ان کی کمسنی کو دخل ہو یا کوئی اور وجہ ہو، اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی کمسنی کے زمانہ میں جب وہ اصغر القوم تھے، اپنے سے بڑی عمر والے صحابیوں سے ان کو یہ خبر ملی تھی کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لوگ سُنتے ہیں اُسے لکھ لیتے ہیں، خود اسی خیال میں رہے، بلکہ ان کی طبیعت کا جو انداز تھا خصوصاً عنفوانِ شباب میں دین کا نشہ ان پر جو چڑھ گیا تھا، خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اُتارنے سے بھی جو نہیں اُترتا تھا[1] ۔ میں جب اس کو سوچتا ہوں تو خیال گذرتا ہے کہ ان کے لکھنے پڑھنے کے جوش میں کبھی کہیں

---

[1] عام کتابوں میں تو صرف اسی قدر ہے کہ رات کی شب بیداری، دن کے روزوں اور تلاوت قرآن ہی کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہتے تھے کہ اتنا زیادہ بار اپنے اوپر نہ ڈالا کرو، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے لیکن وہ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خبر کو دخل نہ ہو، جو اپنے بڑوں سے انھوں نے سُنی تھی، یعنی ان کو یہی خیال آیا ہو کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں لکھا کرتے ہیں تو میں بھی کیوں لکھنا سیکھ کر اس سعادت کا حصّہ دار نہ بن جاؤں بلکہ اسی روایت کے بعض طریقوں میں یہ لفظ بھی بڑھا ہوا جو ملتا ہے یعنی عبد اللہ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اس لئے لکھا کرتا تھا تاکہ ان کو زبانی یاد کر دوں یعنی کہتے تھے کہ "اُرید حفظہ" (مسند احمد صفحہ ۱۶۲ ج ۲) اس سے ان کی بلند ہمتی اور شدتِ ذوق و شوق کا اندازہ ہوتا ہے، کیوں کہ ان بزرگوں میں یہ کسی نے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ جو کچھ لکھتے ہیں اسے زبانی بھی یاد کرتے ہیں، کچھ بھی ہو ان ہی وجوہ کی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ بعض روایتوں میں اس قصہ کے بغیر صرف اتنا جو کہا گیا ہے کہ عبد اللہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کے لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور رضاً و غضب ہر حال کی گفتگو کے قلمبند کرنے کی مجھے اجازت تھی، وہ در اصل ان کی پوری گفتگو کا اختصار ہے جو راویوں نے کر لیا ہے اور ایسا روایتوں میں بکثرت ہوتا ہے، خیر یہ سوال تو چنداں اہم نہ تھا۔ دوسرا سوال جو بہت زیادہ مستحقِ توجہ اور محلِ غور ہے، وہ ان کے بیان کا یہ حصّہ ہے یعنی قریش کے بزرگ نے کتابتِ حدیث سے منع کرتے ہوئے آگے جو یہ الفاظ بڑھائے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی ہیں آپ غصّہ کی حالت میں بھی بولتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی بولتے ہیں"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہی کہتے جاتے تھے کہ یا رسول اللہ میری جوانی کا زمانہ ہے شباب کی قوت ہے میں سب برداشت کر لوں گا لیکن بعض روایتوں میں خصوصاً مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ مدینہ پہنچ کر جب یہ جوان ہوئے تو ان کے والد عمرو بن عاص نے ایک اونچے گھرانے کی خاتون جو قریشی خاندان کی تھیں ان سے نکاح کر دیا۔ تین چار دن بعد عمرو بن عاص ان کے والد دلہن کے کمرے میں گئے پوچھا کہ اپنے دولہے کو تم نے کیسا پایا ممکن ہے عمرو بن عاص کو بیٹے کے طرزِ عمل سے شبہ ہوا ہو اسی لئے خود دلہن سے جا کر پوچھا بے چاری نے کہا کہ بڑے اچھے شوہر ہیں۔ آج تک اس کی خبر نہ لی کہ میں کہاں رہتی ہوں اور کس بستر پر سوتی ہوں۔ عمرو بن عاص کو بھی بیٹے سے یہی توقع تھی، باہر نکل کر جتنا کوئی باپ کسی جوان بیٹے کو کہہ سکتا ہے سب کچھ کہہ ڈالا لیکن دیکھا کہ یوں یہ لڑکا نہ مانے گا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا حال عمرو بن عاص نے پہنچایا۔ آپ نے بلا کر ان کو سمجھانا شروع کیا ۱۲

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com